بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ و تمدن (۵)

منہم امۃ مقتصدہ

تمدنِ اسلام

کا پیام بیسویں صدی کی دنیا کے نام

یعنی

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہ العالی

کا وہ بصیرت افروز مقالہ جو انھوں نے

انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کے زیر اہتمام اسلامی ہفتہ منعقدہ ۱۵ اگست سنہ ۱۹۳۸ء زیر صدارت

جناب پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بمقام رامپور حامد ہال پڑھا اور حسب فرمائش

جناب ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی نائب صدر انجمن مذکور

محامد اللہ انصاری معتمد نشر و اشاعت

نے مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع کرا کر شائع کیا

بار اول — جلد ایک ہزار

۵۸۶

سلسلہ مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ وتمدن (۴)

ایمان

(از علامہ سید سلیمان ندوی صاحب)

یہ درحقیقت سید صاحب قبلہ کی ایک تقریر ہے جو موصوف نے اسلامی ہفتہ منعقدہ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء کے موقعہ پر طلباء واساتذہ یونیورسٹی کے سامنے فرمائی تھی اور بعد میں حضرت موصوف سے مرتب کراکر رسالہ کی صورت میں بغرض افادۂ عام شائع کر دی گئی ہے۔

مضمون کی جامعیت، دلنشیں انداز، دلپذیر پیرایہ بیان، اور فاضلانہ استدلال کے لئے صرف حضرت مولانا کا اسم گرامی بتا دینا ہی کافی ہے۔

الغرض ایمان سے متعلق تمام پہلوؤں پر علامہ موصوف نے ایک سیر حاصل روشنی ڈالی ہے جس کا مطالعہ ذی علم حضرات کے لئے یقیناً مفید ثابت ہوگا۔ کتابت وطباعت عمدہ، کاغذ صاف ستھرا ۲۰ پاؤنڈ۔ سائز $\frac{18 \times 22}{8}$ ضخامت تقریباً تینتیس ۳۲ صفحات، قیمت صرف ۲ر

اگر آپ اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا واقعی کچھ ذوق رکھتے ہیں تو اس کوزۂ ایمان کو ضرور طلب فرمائیے اور اس کے مطالعہ سے روحانی تشفی اور قلبی تسکین حاصل کیجئے۔ پتہ ذیل پر فرمایش کیجئے۔

حامد اللہ انصاری معتمد نشر واشاعت

انجمن اسلامی تاریخ وتمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

عرضِ ناشر

انجمن اسلامی تاریخ و تمدن کے سلسلۂ مطبوعات کا پانچواں نمبر "تمدن اسلام کا پیام بیسوی صدی کی دنیا کے نام" حاضر خدمت ہے۔ یہ محض حق تعالیٰ جل شانہ کا فضل و کرم اور ہمارے مربیان خصوصی عالی جناب وائس چانسلر و پرو وائس چانسلر صاحبان اور جناب ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی کی کمال ہمت افزائی و سرپرستی کا نتیجہ ہے کہ ہم اس قدر قلیل وقفہ میں اپنا پانچواں نمبر شائع کر سکے الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ وجزاہم اللہ خیراً۔

پیش نظر مقالہ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی "مدیر صدق لکھنؤ" کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے جن کی ذات گرامی ان کے کمال علم و فضل کے ماتحت علمی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ دور حاضر کے ایک بلند پایہ ادیب، جلیل القدر عالم، عظیم المرتبت مفکر اور مقتدر انشاپرداز ہیں اور علوم شرقیہ پر بصیرت رکھنے کے ساتھ ساتھ علوم مغربی پر بھی کافی قدرت رکھتے ہیں ہمارے لئے یہ بیحد فخر و مسرت کا مقام ہے کہ مولانا موصوف ہماری مادر درسگاہ کے ایک مایۂ ناز فرزند ہیں جن پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں۔

مقالۂ ہذا کی جامعیت اور فاضل مقالہ نگار کا علم و فضل اس قدر بلند ہے کہ ہم اپنی کم مائگی اور بے بضاعتی کی وجہ سے اس کی صحیح توصیف و تعریف نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہم نے اپنے مخصوص کرم فرما حضرت مولانا محمد طیّب صاحب سے رجوع کیا ہے جنہوں نے ہماری درخواست پر اس بصیرت افروز اور جامع مقالے پر اپنی فاضلانہ تقریظ لکھ کر ارسال فرمائی ہے جو ہم بصد تشکر و امتنان صفحات ذیل میں شائع کر رہے ہیں۔

محترم مولانا دریابادی نے اس مقالہ میں جو کچھ کہا ہے تمدن اسلام کی زبان میں کہا ہے۔ بس یوں فرض کر لیجئے کہ اسلامی تمدن کو قوت ناطقہ بخشدی گئی ہے اور وہ

بعینہٖ متکلم بیسویں صدی کی دنیا کو اپنا پیغام دے رہا ہے اور اپنی کہانی سنا رہا ہے خود مولانا نے اس پر ایک تین سطری نوٹ لکھا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

اپنی آئندہ مطبوعات کی اشاعت کے متعلق ہم اپنے گذشتہ نمبر "ایمان" کے دیباچے میں عرض کر چکے ہیں اس لئے اس کا اعادہ کرنا غیر ضروری ہے۔

آخیر میں ہم بصد عجز و انکسار بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہیں کہ مولانا طیب صاحب کی تحریر کے بموجب یہ مقالہ ہمارے کردار کی صورت اختیار کرلے اور ہم اسلامی سنن و معمولات نبوت کے پابند بن کر رحمت ربانی اور فیضان رسول سے مالا مال ہوں اور پیش نظر مقالے و دیگر اسلامی مضامین و تقاریر کی رہنمائی میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ احکام کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو کر سعادت ابدی حاصل کریں۔

آمین ثم آمین

حامد اللہ انصاری عفی عنہ
معتمد نشر و اشاعت

انجمن اسلامی تاریخ و تمدن
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۲۴ رجون سنہ ۱۹۴۱ء

غلط نامہ

ہمیں بیحد افسوس ہے کہ پیش نظر مقالہ کا مسودہ ناقص ہونے کی وجہ سے اس کی طباعت میں بعض اغلاط رہ گئیں ناظرین کرام سے التماس ہے کہ وہ مقالہ ہذا کے مطالعے سے قبل جملہ اغلاط کی تصحیح فرمالیں۔

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۴	۱۹	دہری	دہریہ
۹	۸	قمار	قمار بازی
۱۰	۱۶	پڑتے	پڑتے ہیں
۱۱	۹	کو	تو
〃	۱۵	اللہ	للہ
۱۵	۵	age	Case
〃	۱۰	What a Shair	White slave
۱۵	۱۳	اسٹوئٹس	اسٹوئیس
〃	۲۰	اب بھی کچھ	اب بھی میرے کچھ
۱۶	۲	Perfectual	Perpetual
۲۰	۵	قدر	قدر پوچھے
〃	۹	حضرات	خطرات

حامد اللہ انصاری عفی عنہ

معتمد نشر و اشاعت

تقریظ

از فخر الاماثل والافاضل حضرت الحاج مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی

(مہتمم جامعہ قاسمیہ دار العلوم دیوبند)

مولانا عبد الماجد دریا بادی کی ذات گرامی اپنی گوناگوں قابلیتوں کے ماتحت علمی دنیا بلکہ پورے ملک میں کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ کی ذات کے لئے خود آپ کی معیاری تصانیف اور پُر از معلومات مقالے کافی وجہ تعارف ہیں اور آپ کے ان علمی شاہکاروں یا قلمی کارناموں کے تعارف کے لئے یہ نسبت کافی ہے کہ وہ آپ کے بلند پایہ اذکار ہیں۔ جو ذات اپنے کمال سے خود اپنے لئے معرفی کر رہی ہو اُس کا تعارف کیا حقہ کرایا بھی نہیں جا سکتا اور کرایا جائے تو وہ تحصیل حاصل کا مصداق ہوگا۔

مشاہیر ملک میں مولانا ممدوح کی ذات اپنی نمایاں علمی جوہروں کے ساتھ ایک ممتاز ادبیت اور مخصوص انشا پردازی کی حامل ہے۔ جو اپنی خصوصیات کے سبب بے حد دل آویز نہایت دلکش اور نہایت مؤثر و نافع ثابت ہوئی ہے۔ پس پر یہ خدا کی دی ہوئی توفیق ہے کہ یہ خداداد قابلیتیں اسلامی مقاصد کی تفہیم اور ان کی ترویج و اشاعت میں صرف ہو رہی ہیں جن سے سینکڑوں اسلامی مہمات معقول پسند طبقہ کے لئے اقرب الی الفہم اور احری بالقبول ہوتے جا رہے ہیں۔

زیر نظر تالیف "تمدن اسلام کا پیام" مولانا کا ایک بے نظیر علمی مقالہ ہے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ کو ان کی انجمن اسلامی تاریخ و تمدن کے ایک سالانہ جلسہ میں سنانے کے لئے قلمبند کیا گیا ہے۔ مقالہ کا مقصد اس کے عنوان سے ظاہر ہے یہ مقصد کا ادا کرنے والا مولانا عبد الماجد کا قلم ہے مخاطب فہیم اور معقول پسند طبقہ ہے اس لئے قدرتی

طور پر مقالہ کا انداز بیان اس قدر دلکش ہو گیا ہے کہ موضوع مقالہ "تمدن اسلام" خود اپنے منھ سے بول پڑا ہے اور اس نے مولانا کے قلم کی آڑ لیکر اپنی پوری داستان خود ہی پڑھکر سنادی ہے قلم کی خوبی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ مضمون اپنے منھ سے بول پڑے مولانا کے قلم نے اسے مضمون کے حال ہی سے نہیں قال سے بھی بیچ کر دکھلایا گویا آپ نے دنیا کے سامنے ایک ایسا بولتا چالتا اور زندہ تمدن پیش فرمایا ہے۔ جس نے اپنی زندگی کی شگفتگی خود اپنے منھ سے ایک ایسے انداز میں پیش کی ہے کہ دوسرے تمدنوں پر خود بخود ایک مردنی سی چھائی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

اثنار مقالہ میں مجادلہ حسنہ کے ساتھ غیر اسلامی معاشرتوں پر کچھ ایسی لطیف چٹکیاں لی گئی ہیں کہ چٹکی بھرنے والا ہاتھ تو نظر نہیں آتا مگر سارے ہی تمدنوں کے بدن پر جگہ جگہ داغ نمایاں ہو گئے ہیں اور ساتھ ہی اسلامی تمدن کے گوشہ گوشہ کی برتری اور ہمہ نہج فوقیت بھی دلائل و براہین ذہنی نہیں محسوسات و مشاہدات کی روشنی میں خوب خوب کھل گئی ہے۔

مہد سے لیکر لحد تک عبادت سے لیکر عادت تک شہریت سے لیکر حکومت تک انفرادیت سے لیکر اجتماعیت تک ایک مسلمان کی پوری اسلامی زندگی اس خوبی سے پیش کر دی گئی ہے کہ تمدن اسلامی کی مجسم تصویر سامنے آکھڑی ہوئی ہے۔ اور مقالہ کے بلیغ و ہمہ گیر عنوانات یا الفاظ و کلمات کی جامعیت و دوررسی کے سبب اس تصویر کے باریک سے باریک خط و خال بھی آئینۂ الفاظ سے عیاں دکھلائی دینے لگتے ہیں اسلامی تمدن کی بنیادیں خدا پرستی و خدا ترسی دیانت داماانت عفت و صداقت تقویٰ و طہارت اور آخر میں اس کی تاریخی عظمت و صولت۔ ادہر غیر اسلامی معاشرتوں کی بنیادیں جاہ و باہ کی بدمستیاں، خود غرضی۔ لقمۂ حرام، شراب و مسکرات، زنا و نگاہ بازی، نقب زنی وڈکیتی جرائم کے روزافزوں اعداد و شمار زہر خورانی و آتش زنی۔ حرب و ضرب اور خودکشی وغیرہ

تقابل کے ساتھ ایسے انصاف سے نمایاں کر دی گئی ہیں کہ اگر اسلامی تمدن کی خوبیاں منہ سے بول پڑی ہیں تو غیر اسلامی تمدنوں کی زشتیوں اور مضرتوں نے بھی اپنا پردہ اپنے ہی دہن وزبان سے چاک کر دیا ہے۔ جس سے نتیجۂ بیان میں اسلامی تمدن محبوب ترین اور مرجع عالم تمدن ثابت ہوتا ہے جس کی طرف دل خود بخود کھنچ آنے پر مجبور ہو جائے اور یہ غیر طبعی تمدن مبغوض ترین تمدن ثابت ہوتا ہے جس سے مذاق سلیم رکھنے والوں کو قے آنے لگے۔

غرض مقالہ اپنی لفظی اور معنوی خوبیوں (انشاء پردازی، بلاغت بیان، سلاست عنوان اور جامعیت مقصد کے لحاظ سے اسی بہترین داد وتحسین کا مستحق ہے جو مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے صاحب قلم کے کسی مضمون کے حصہ میں آسکتی ہے۔ اس لئے اس مقالہ کی خوبیوں کا تعارف کرانے کے لئے میرے نزدیک آخری تقریظ یا حقیقی صورت تحسین صرف یہی ہو سکتی ہے کہ اسے مولانا ممدوح کا مقالہ ہونے کی نسبت حاصل ہے جو ہر قسم کی تقریظ وتحسین سے مستغنی اور بالاتر ہے۔

اگر ہماری اسلامی یونیورسٹی کے فاضل طلبہ اور اُن کے شفیق ومربی سرپرست لمحات زندگی گذارتے وقت صرف اس مختصر مگر جامع مقالہ ہی کو سامنے رکھ لیں (جس کی آج کی فضا میں کم از کم مجھے ان کی روز بروز اوبھرنے والی صلاحیتوں کے پیش نظر سو فیصدی توقع ہے) تو میں سمجھتا ہوں کہ ہماری معاشرت سے وہ آلودگیاں بہت جلد زائل ہو جائینگی جنہوں نے ایک عرصہ دراز سے ہمارے خالص اسلامی تمدن کو مکدر اور بدنما بنا رکھا ہے اور ہم ایک جامع تمدن وتہذیب کو سرپر رکھتے ہوئے اغیار سے تمدن کی بھیک مانگتے پھر رہے ہیں۔ ؂

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر
تو ہمے جوئی لب نان در بدر

یہ ایک ہی مقالہ اگر کردار کی صورت اختیار کرلے جو سرتا سر اسلامی سنن اور معمولات نبوت کا آئینہ دار ہے تو وعدۂ نبوت کے مطابق بہت جلد عہد حاضر کی تمدنی شوکت کی ملمع چاندنی کا پردہ چاک ہوکر اسلامی تمدن کی سادہ اور فطری روشنی نگاہوں میں کھپ جائے گی مسلمانوں کی ہیئت وشوکت رفتہ لوٹ کر آج کل کی ذہنی مرعوبیت کا خاتمہ کر دے گی۔ اور پھر دور حاضر کے مسلمان محسوس کریں گے کہ وہ اپنی نگاہوں میں کیا ہو گئے اور اغیار کی نگاہوں میں کیا دکھلائی دینے لگے ہیں ارشاد نبوی ہے۔

من حفظ سنتی اکرمہ اللہ باربع خصال۔ المحبة فی قلوب البررة والهيبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقة فی الدين۔

(رواہ اہل السنن)

جس نے میرے طریقہ کا تحفظ کیا خدا تعالیٰ چار باتوں سے اس کی عظمت قائم کر دیں گے۔ پاکبازوں کے دل میں اسکی محبت ڈالدیں گے اور بدکاروں کے دل میں ہیبت اور رزق کو وسیع کر دیں گے اور دین میں پختگی نصیب فرماویں گے۔

ہم سب خدام اسلام کو فاضل مقالہ نگار مولانا عبدالماجد کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ اونہوں نے ہمارے لئے اسلامی زندگی کے پیغام کی بروقت تجدید کی اور عرصہ کا بھولا ہوا سبق وقت کی زبان میں ہمیں دلپذیر انداز اور حجت وبرہان کی روشنی میں سمجھا دیا۔ لیہلک من هلك عن بينة ويحيى من حىّ عن بينه۔ وبالله التوفيق۔

احقر

محمد طیب غفرلہ

دارالعلوم دیوبند

۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶ھ

شعبۂ نشر واشاعت

انجمن اسلامی تاریخ وتمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کا

ایک تعمیری پروگرام

اگر حق تعالےٰ جل شانہٗ کا فضل وکرم، انجمن کے ارباب حل وعقد کی سرپرستی واعانت اور قارئین کرام کی ہمت افزائی شامل حال رہی تو شعبۂ نشر واشاعت کی جانب سے مقتدر علماء وفضلاء ملت کی اُن جامع تقاریر وبصیرت افروز مقالات کے علاوہ جو انجمن کے عظیم الشان اسلامی ہفتے، اور دیگر شاندار جلسوں میں پڑھے جاتے ہیں حسب ذیل اہم اور ضروری رسایل حسب ذیل موقعوں پر اور شائع کئے جائیں گے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ وباللہ التوفیق۔

محامداللہ انصاری عفی عنہ

معتمد نشر واشاعت

(۱) شبرات کی حقیقت۔	۱۴ر شعبان المعظم
(۲) فلسفۂ روزہ۔	یکم ر رمضان المبارک
(۳) حقیقی عید۔	یوم عید الفطر یکم شوال المکرم
(۴) قربانی کا مقصد۔	یوم عید الضحیٰ ۱۰ر ذی الحجہ
(۵) ذکر شہادت۔	عشرۂ محرم۔ ۱۰ر محرم الحرام

۷۸۶

تمدنِ اسلام کا پیام

بیسویں صدی کی دنیا کے نام

"تمدنِ اسلام کا عظیم الشان پیغام اور اس کا حامل یہ گوشہ نشین وگمنام! نظرِ واسطے کی بے حقیقی و بے بساطی پر نہ کیجیے تمدنِ اسلام کا پیام خود تمدنِ اسلام کی زبان سے بصیغۂ متکلم سنیئے!"

بچے، مسلم و کافر سب ہی کے گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ مسلمان کے گھر میں ادھر بچہ ہوا، اُدھر نہلا دُھلا، سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ گھر کے کسی بڑے بوڑھے نے کسی نیک فرد نمازی نے آکر اُس کے دونوں کانوں میں اذان و اقامت کہی، گویا اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کا پیام، بچہ کے دُنیا میں آتے ہی اُسے سُنا دیا اور پھر کسی نے ایک خرما اپنے دانتوں سے کچل اور لعابِ دہن سے تر کر کے اُسے ذرا سا چٹا دیا کہ یہ سنت رسولِ اسلام و ہادیٔ انام ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ میری ہی یعنی مخصوص و خالص اسلامی تمدّن کی ایک جھلک!

بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا، ٹانگوں میں توانائی آئی، انگنائی میں اور باہر دوڑا دوڑا پھرنے لگا۔ زبان تلفظ پر کھلی، پڑھنے بٹھائے گئے، اور جو لفظ جو فقرہ سب سے پہلے زبان پر لایا گیا وہ یہ نہیں کہ "الف سے انڈا" یہ نہیں کہ A FAT MAN RAN

بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہی بسم اللہ اس کی Base، تعلیم ہے یہی اُس کا کنڈر گارٹن یہی اس کا مانٹیسوری میتھڈ ——— وہی میری ایک جلوہ آرائی!

بچّہ نے اب ہوش سنبھالا۔ سیانا ہو کر اب تنہا سفر کرتا ہے۔ ریل پر جا رہا ہے، کھانے کا وقت آگیا، ناشتہ ساتھ ہے یا تازہ کھانا اسٹیشن سے خریدا، ہاتھ دھویا رومال بچھا کھانا رکھا، درجہ میں اور بھی ہمسفر ہیں، پہلے کے ملاقاتی نہیں، اجنبی محض صاحب سلامت تک بھی نہیں لیکن ان میں سے جو مسلمان نظر آتے ہیں درخواست اُن کے سامنے پیش ہو رہی ہے کہ آئیے حضرت! کھانا حاضر ہے اُدھر سے جواب ملتا ہے کہ بسم اللہ بارک اللہ آپ نوش فرمائیں، نہ چھوت چھات کا سوال نہ ذات برادری کی پوچھ پاچھ کہ اجنبی لوگ اپنی برابر کے ہیں بھی یا نہیں اور نہ تعارف انٹروڈکشن کا انتظار ——— یہ آخر کیا ہے؟ میرا ہی ایک اور منظر تمدن اسلام ہی کا ایک اور نمونہ۔

بچّہ جوان ہوا اور شادی کے قابل لڑکے اور لڑکی دونوں کی مرضی پا لینے کے بعد ماں، باپ تاریخ نکاح مقرر کرتے ہیں۔ دُلھن کے گھر پر دولھا معہ اپنی پارٹی کے آئے، ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ زنان خانہ میں دلھن، مردانہ میں دولھا۔ دُلھن نے کسی قدر رُو رُو کر با ضابطہ منظوری وکیل نکاح کو دو گواہوں کے سامنے دی۔ اُنھوں نے محفل میں آکر قاضی کے سامنے دُوہرایا قاضی نے خطبہ میں حمد و نعت پڑھی، اللہ و رسول کا کلام سنایا، آیندہ کے فرائض کو اسلام کی مقدس اور مسلمانوں کی بین الملّی زبان (عربی) میں یاد دلایا، نکاح اور اولاد کے برکات بیان کئے، اور شوہر کی زبان سے مہر و قبول کا اقرار کرا کے اللہ سے زوجین کے حسن معاشرت کی دُعائیں مانگ رسم نکاح خوانی کو ختم کر دیا ——— شروع سے آخر تک نہ پوجا پاٹ، نہ منتر کا

توہمات۔ وہی تمدن اسلامی کی ایک اور نقاب کشائی۔

بچہ بوڑھا ہو اسفر آخرت کی تیاریاں۔ بستر مرگ پر عزیز و قریب سب اکٹھے کوئی کلمہ پڑھ رہا ہے، کوئی سورۂ یٰسین دم کر رہا ہے، کوئی صرف اللہ اللہ سُنا رہا ہے کہ جو آواز آنکھ کھولتے ہی دنیا میں سب سے پہلے سنی تھی، دم رخصت آنکھ بند بھی اُسی نام پر ہو۔ کوئی آب زمزم حلق میں ٹپکا رہا ہے، کوئی چارپائی قبلہ رخ کر رہا ہے، دم آخر ہوا بھائی، بھتیجے، بیٹے، پوتے سب لگے لپٹے ہوئے ہیں۔ کوئی ہاتھ پیر برابر کر رہا ہے، کوئی پیر کے انگوٹھے اور آنکھوں پر پٹی باندھ رہا ہے، یہ ہو چکا تو غسل کا پانی نیم گرم تیار ہوا، بیر کی پتیاں ڈالی گئیں کفن کا کپڑا آیا، اُجلا اُجلا پیراہن تیار ہوا۔ طہارت، وضو، غسل، سب باقاعدہ اور ترتیب کے ساتھ عمل میں آیا۔ کلمہ کا ورد قرآن کی آیتیں رسول کی بتائی ہوئی دعائیں برابر جاری۔ کافور جا بجا ملا گیا کہ کل جو اعضا حشر میں چمکیں گے، اُن کی کچھ دُھندلی سی جھلک تو یہیں نظر آجائے جنازہ بن ٹھن کر قبرستان روانہ ہوا "جیسے گلشن کی آخری ہو بہار" میت غریب سے غریب کی سہی، کاندھا بڑے سے بڑا آدمی دے رہا ہے۔ قبرستان سارے بستی والوں، یا سارے محلہ والوں کا ایک یہ نہیں کہ سویلنس کا اور ملیٹری والوں کا اور گورے اور کالے کا امتیاز مرنے کے بعد بھی قائم رہے نماز جنازہ پڑھی گئی، بوڑھے اور بچے سب نے مل کر خدائے واحد سے دُعا مانگی کہ مغفرت و رحمت اس میّت کے بھی شامل حال رہے اور ہم سب کے بھی۔ میّت کو اگنی دیوتا، یا کسی اور دیوی دیوتا کے حوالہ نہیں کیا گیا، منتر کسی اور کے نام کے نہیں پڑھے گئے۔ بندہ کا ربط تمام تر و براہ راست معبود ہی کے ساتھ قایم رہا۔ قبر کے مکان میں آرام و احترام کے ساتھ اتارا۔ قبلہ رُخ کر کے لٹایا۔ اُتارتے وقت آوازیں بلند رہیں بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ زمزم و عرق کیوڑہ کی خوشبو نے مٹی کے گھر میں قصر جنت

کی دلآویزی پیدا کردی۔ مکان کے دروازے پہلے لکڑی سے اور پھر مٹی سے
بند ہوئے۔ ہاتھ مٹی کے ڈھیلے اٹھا اٹھا کر ڈال رہے ہیں، اور زبان ذکر الٰہی کا زمزمہ
تسکین وتسلّی سناتی جا رہی ہے کہ اس میں گھبرانے اور ڈرنے کی کونسی بات ہے
(منہا خلقنٰکم) ارے یہ پیاری مٹی تو وہی ہے جس سے سارا گوشت پوست بنا تھا
اور بنانے والے بھی ہم ہی تھے۔ بس اُسی کی طرف تو واپس ہو رہے ہو یہ کوئی اجنبی اور
نامانوس چیز تھوڑی ہی ہے، اور واپس کرنے والے بھی ہم ہی ہیں، اپنوں سے بڑھ کر اپنے
کوئی غیر نہیں (وفیہا نعیدکم) اور اسی سے ایک دن پھر صحیح وسالم تمھیں برآمد کریں گے
اور پھر وہ بھی ہم ہی ہوں گے سابقہ کسی اور سے پڑنے والا نہیں (ومنہا نخرجکم
تارۃً اُخریٰ) چلتے چلتے پھر میّت کے حق میں دعائیں خدائے واحد سے، اور پھر قبرستان
سے واپسی مسلمان کی۔ روزانہ زندگی کے سارے مناظر پیدائش سے لے کر موت تک
اپنی نگاہ کے سامنے لے آئیے، ہر جگہ آپ کو دوسری قوموں سے، دوسری ملتوں سے
دوسری اُمتوں سے ایک شانِ امتیاز نظر آئے گی۔ اطوار وآداب میں، بیداری وخواب
میں، وضع ولباس میں، بھوک اور پیاس میں، صبح بستر سے اُٹھے گا تو ساتھ ہی کہے گا
لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کھانے بیٹھے گا تو لقمہ منہ میں بعد کو رکھے گا پہلے کہے گا بسم اللہ پانی
ٹھنڈا حلق سے اتارے گا تو ساتھ ہی منہ سے نکلے گا الحمد للہ۔ گوشت کے لئے زبان
چٹخارہ لے گی، تو تلاش حلال جانور کی کرے گا، اور اُسے بھی پہلے قبلہ رخ لٹائے گا
بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھ لے گا جب کہیں جا کر چھری چلائے گا۔ یہ سب اگر میری
ہی نشانیاں اور میری ہی جلوہ آرائیاں نہیں ہیں تو آخر کیا ہیں؟

تعارف کے بعد یاد کر لیجئے، اپنے ملک کے ایک زنّار دار دہریے کا یہ تجاہل کہ
ہندوستان میں اسلامی تمدّن سرے سے ہے کہاں؟ ——— آفتاب
کی روشنی کا روز روشن میں اس سے بڑھ کر انکار کس نے اور کب کیا ہو گا؟ میں تو

جزو ہوں ہر مسلمان ۔ ہاں ہندی مسلمان کی بھی زندگی کا۔ اس کی روح میں داخل اس
کی ہر سانس میں شامل!

لیکن میری حقیقت اچھی طرح سمجھ لیجئے جزو ہوں۔ کل نہیں، فرع ہوں، اصل نہیں،
شعاع ہوں آفتاب نہیں، میری اصل وبنیاد جو کچھ ہے وہ دین اسلام ہے ——
دُنیا کی کشت زار کے حق میں باران رحمت خالق کا اپنی مخلوق پر سب سے بڑا احسان
—— تمدّن اسلام کے معنے یہ نہیں کہ کسی ملک یا زمانہ کی مسلمان آبادی
نے اکٹھے ہوکر جغرافی، تاریخی، نسلی حالات کے ماتحت اپنے لئے کچھ دستور وضع کرلئے
اور ان کا نام تمدّن اسلام رکھ لیا۔ تمدّن اسلام نام ہے اسلام کے تمدّن کا مسلمانوں
کے تمدّن کا نہیں۔ میں مصنوع نہیں، مخلوق ہوں، بندوں کے ذہنی اختراع کا نتیجہ
نہیں، خالق کے احکام کا آئینہ بردار ہوں۔ مسیحی تمدّن، ہندو تمدّن وغیرہ کے الفاظ
سے دھوکا کھاکر میرے متعلق یہ نہ فرض کرلیجئے کہ جس طرح وہ نام ہیں دوسری قوموں
کے ہزارہا سالہ مجموعی تاریخی روایات کے، حکایات کے، خرافات کے، اسی طرح
میں بھی پیداوار ہوں، عرب وعجم کے اختلاط کا یادگار ہوں طغرل وسنجر کے اقتدار
کا! تمدّن اسلام صرف وہ تمدّن وہ طرز زندگی ہے، جو ثابت ہے قرآن پاک
سے اور سنت رسول انام ہے اور یا پھر مستنبط ہوتا ہے انھیں دونوں سے ائمہ
مجتہدین واکابر فقہا کے قواعد واصول سے۔ یہ تصریح اس لئے ضروری ہوئی کہ کہیں
تعزیہ اور علم، براق وضریح روشنی وآتشبازی، حلوہ وملیدہ، ڈھول اور طنبورہ،
چادر اور گاگر کو بھی میرا جزو نہ سمجھ لیا جائے، حاشا میں ان سے بری، ایک بار نہیں،
ہزار بار بری!

لوگوں کو یہ دھوکا یوں لگا کہ اسلام کو دوسرے مذہبوں پر قیاس کرلیا گیا،

اسلام دوسرے موجودہ مذہبوں کی طرح کوئی وردی نہیں کہ اسے اتوار کے دن گرجا جاتے ہوئے یا صبح و شام مندر میں پوجا کے لئے جاتے وقت جسم پر ڈال لیا اور واپسی میں اتار کر ٹانگ دیا اور پھر ہر معاملہ میں آزاد، اور بے فکر اور مطلق العنان۔ جو چاہا کھایا پیا، جس طرح چاہا رہے سہے، جس سے چاہا ملے جلے ـــــــ یہاں تو قدم قدم پر پہرا بیٹھا ہوا، آزادیوں کا دامن ہر طرف سے سلا ہوا۔ جانور فلاں حرام اور فلاں حلال۔ حلال کو بھی ذبیحہ کے طریق پر اپنے لئے حلال کیجئے، ورنہ اُس کے ذائقہ سے بھی محروم رہیئے۔ شراب نہ پیجئے۔ افیون سے شوق نہ کیجئے۔ بھنگ بوٹی سے دور ہی کی آشنائی رکھیئے، سودی کاروبار کے پاس نہ پھٹکیئے، ساہوکارہ کھول کر گھر بھر لینے کا خیال بھی دل میں نہ لیایئے۔ دہلی چاوڑی بازار یا لکھنؤ چوک سے گزرنا ہو تو کوٹھوں کی طرف آنکھ نہ اٹھایئے۔ مرد ریشم سے اپنے جسموں کو زینت نہ دیں۔ عورتیں اپنی زیبائش جمال کی چھاؤں بھی نامحرموں پر نہ پڑنے دیں۔ گھر میں بچہ پیدا ہو تو یہ نہ ہو کہ خوشی میں آکر لگے ڈھول پر ڈھول ٹوٹنے، اور طبلہ سارنگی کی آواز سے فضا گونجنے، اور کوئی عزیز چل بسے تو یہ نہ ہو کہ افراط غم میں شروع ہو جائیں شریعت کی زنجیریں ٹوٹنی غرض زندگی کا کوئی شعبہ بڑا یا چھوٹا ایسا نہیں جس میں دین فطرت نے انسانی ہوا وہوس کو آزاد و بے قید چھوڑ دیا ہو، اور اس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو طرح طرح کی ہدایات سے جکڑ نہ دیا ہو ـــــــ ٹھیک اُس حکیم حاذق کی طرح جو مریض کو کھانے، پینے، سونے، جاگنے، چلنے پھرنے، دوا دوش ہر ہر جزیہ کی رعایت اپنے دستور العمل میں رکھے ہوئے ہے، اور ایک مکمل پروگرام چوبیسوں گھنٹوں کا آپ کے ہاتھوں میں دے چکا ہے۔

عقائد کے بعد اس جامع مفصل کامل و مکمل نظام عمل کے جتنے جزو کا تعلق براہ راست خالق سے ہے اُس کا نام سہولت کے لئے عبادت پڑ گیا، اور نماز و

روزہ، حج وغیرہ اس کی قسمیں قرار پائیں، باقی جن اجزا کا تعلق بندوں کے باہمی میل جول، لین دین، صلح وجنگ، کھیل کود سے ہے، اُن کے مجموعہ کا نام ہے تمدنِ اسلام یا معاشرت اسلامی، اور یہی میں ہوں ——— میں پکار کر کہتا ہوں کہ دُنیا بھوک سے تڑپ رہی ہے اور میں ہوں اس کے لئے ایک طاقت بخش غذا۔ دنیا درد سے لوٹ رہی ہے اور میں ہوں اُس کے حق میں نسخہ شفا۔ پریشانیاں جو کچھ بھی چھائی ہوئی ہیں سب اس لئے کہ مجھے چھوڑ رکھا ہے۔ مصیبتیں جتنی بھی آئی ہوئی ہیں سب اس لئے کہ مجھ سے مُنہ موڑ رکھا ہے۔ یہ دعوے کا اعلان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ پیام پہونچ جائے بیسویں صدی کی زار ونزار لاغر و بیمار دنیا کے کان تک، میرے فرزندوں کے ذریعہ سے علی گڑھ کے جگر گوشوں کے وسیلہ سے۔

دنیا آج نشہ بازی کی جن لعنتوں میں گرفتار ہے، اس کی داستان دُہرانے کے لئے بھی وقت چاہئے، افیون چانڈو، مدک، کوکین، ہیروئن، اور سب سے بڑھکر شراب۔ دنیا کی دولت کا اربوں روپیہ انھیں پر صرف ہو رہا ہے اور پھر بیماریاں اور جرائم جو ان سے پھیل رہے ہیں، ان کا شمار ہی نہیں۔ لیگ آف نیشنس کنونشن پر کنونشن تیار کرتی چلی جاتی ہے، کمیشن پر کمیشن بٹھاتی چلی جاتی ہے۔ مختلف حکومتیں امتناع (پرہیبیشن) کے قانون پر قانون بناتی چلی جاتی ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے مُدبّرین کی عقلیں چرخ ہو ہوگئیں ہیں ——— میں جب زندہ و توانا تھا میرے عہد شباب میں بھی کوئی دشواری اس قسم کی پیش آئی تھی؟ شراب تو عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، بے اس کے اُن کے نزدیک جینا محال تھا، پھر محمد رسول اللہ کے زمانہ میں کتنے شرابی حجاز میں، نجد میں، یمن میں، سارے ملک عرب میں باقی رہ گئے تھے؟ عمر فاروقؓ کے زمانے میں عراق، ایران، خراسان، حلب، دمشق، مصر، سب میرے زیرنگیں آچکے تھے۔ اس سارے عرب ایمپائر

میں کتنے افیونی تھے، کتنے شرابی؟ جواب دل کی عقیدت سے نہیں تاریخ کے اوراق سے حاصل کیجئے۔ تاریخ بھی شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کی لکھی ہوئی نہیں، اُن کے قلم سے نکلی ہوئی جن کی زندگی کا مشن ہی اسلام، تاریخ اسلام کو سیاہ کر کے دکھانا ہے! ہمارے ہاں بھی کوئی تیوہار، کوئی مقدس گھڑی ایسی آتی ہے کہ شراب کا چھونا، چکھنا، پینا، جسم پر لگانا بطور شگون ضروری ہو؟

میرے نیچے بھی "پوکرسٹ" اور ہولی کے تقدس سے واقف ہیں، امتناع کے قوانین نافذ کر کے دنیا میری ہی ناقص اور ناتمام نقالی کی طرف آرہی ہے یا نہیں؟

نشہ اور جوئے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عرب تہذیب جاہلی جس طرح شراب کی متوالی تھی، جوئے کی بھی دیوانی تھی، اور آج کی مہذب قوموں کی زندگی میں تو جوا طرح طرح کے ناموں اور خوشنما و نظر فریب اصطلاحوں کے ساتھ رگ و ریشہ میں پیوست ہو گیا ہے، لاٹری اور انشورنس، اور گھوڑ دوڑ میں بازی، ورفٹ بال میں بازی اور کارنیوال اور لکی بیگ اور کراس ورڈ پزل (الفاظ کے معمے) وغیرہ وغیرہ مجنونوں اور امراض دماغی کے مریضوں کی کتنی تعداد ہر سال یہی خوش اعمالیاں بڑھا رہی ہیں (واقعات خودکشی کے اسباب، کس کثرت سے، بالآخر نشہ اور قمار ہی پر ختم ہوتے ہیں ———— میرے زمانہ عروج و اقبال کی تاریخ پڑھ جائیے، اس عہد میں بھی کوئی مشہور جواری ملے گا! قمار کی عزت کسی نام کے ساتھ اور کسی پردہ میں نظر آئے گی، میرے دور میں بھی کہیں اس کی نظیر ملے گی کہ فلاں عظیم الشان راجہ اپنے بھائیوں سمیت اپنا راج پاٹ، بلکہ اپنی عزت و ناموس تک جوئے میں ہار بیٹھے اور آخر جلا وطنی پر مجبور ہوئے؟ میرے عہد میں بھی راجہ نل بطور ہیرو کے نظر آئیں گے؟ میرے ہاں بھی دستور رہا ہے کہ نوروز یوں منایا جائے کہ لکشمی دیوی کی پوجا کے ساتھ جوئے کو بھی جزو عبادت بنا لیا جائے، اور قانون تعزیرات ہند

تک کو ۲ ، ۳ تین دن کے لئے جوئے کی آزادی دے دینی پڑے؟ میرے دور میں بھی کسی ماونٹ کارلو کی شہرت چمکی ہے؟ میرے ہاں بھی کہیں ایسا ہوا ہے کہ کسی علاقہ کی آمدنی کا بڑا حصہ جوئے ہی کی رقم سے آتا ہو؟ اُس وقت بھی کسی شہر سے متعلق یہ تصریح آپ کو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں نظر پڑتی ہے کہ وہاں کی جوئے کی آمدنی کا ٹھیکہ فلاں کمپنی نے لیا ہے اور وہ ہر سال حکومت کو ۹۰ ، ۹۰ ہزار یا ایک ایک لاکھ پونڈ دیتی رہتی ہے! ۱۳ ، ۱۳ لاکھ روپیہ سالانہ جب کمپنی کے کمیشن کا ایک حصہ ہوا تو اُس بے انداز دولت کا جو جواریوں کی جیبوں میں اَدل بدل کرتی رہتی ہے کوئی اندازہ کرسکتا ہے؟ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ قمار بازی کی بندش ہو کیونکر اُس کی عمر تو تاریخ انسانیت کے دامن سے وابستہ ہے، بے شک یورپ کی تحقیق میں ایسا ہی ہوگا، کاش اس کلیہ سے تمدن اسلام کو مستثنے کردیا ہوتا!

خوشی کی تقریبات سبھی قومیں مناتی ہیں۔ لیکن یہ جشن قومی کے موقع عموماً شرافت، متانت وعصمت کے مقتل ہی ہوتے ہیں۔ دوسری قوموں اور مذہبوں کی تاریخیں اٹھاکر پڑھ لیجئے اور کتب بینی کی فرصت نہ ہو تو اپنی آنکھوں ہی سے گردوپیش کی قوموں کا حال ملاحظہ فرمالیا جائے۔

سال میں دو جشن میرے ہاں بھی آتے ہیں، ایک عید، دوسرے عید الضحیٰ اور اسی کو عرف عام میں بقرعید کہتے ہیں، دونوں موقعوں پر خوشی اتنی ہوتی ہے کہ اس کے اظہار کے لئے عید کا نام ہی ضرب المثل بن گیا ہے، لیکن اس بے اندازہ خوشی کے ساتھ بدمستی اور بیخودی کہیں آس پاس بھی آنے پاتی ہے، یہاں یہ نہیں ہوتا، کہ ہزارہا مرد ہر عمر اور ہر طبیعت کے اور ہزارہا عورتیں ہر سن وسال کی دریا میں مخلوط غسل کے وہ وہ نظارے پیش کریں کہ خود بے حیائی کی نگاہیں نیچی ہو ہو جائیں۔ یہ بھی

نہیں ہو پاتا کہ ہزارہا کے مجمع پر (Holiday Mood) کی وہ بدمستی طاری ہو کہ پولیس کے سارے انتظامات اور ضبط و انضباط کی ساری بیجا شہرت کے باوجود بیسیوں لاشیں نکلیں، اور پچاسوں زخمیوں کے لئے ایمبولنس کار کی خدمات کی ضرورت پڑ جائے (امریکہ اور یورپ کے ہر میلے ٹھیلے کی رپورٹ انگریزی اخبارات میں پڑھ دیکھئے) یہاں ہوتا ہے تو یہ کہ عید سے لطف اٹھانے کے لئے پہلے مہینے بھر کے مسلسل روزے رکھیے، صبح سے شام تک دانا پانی اپنے اوپر حرام کر لیجئے، جب کہیں جاکر عید کا چاند نظر آئے گا، اس وقت اس عبادت کا شکر یوں عبادت ہی کی صورت میں منائیے کہ روز صبح اٹھکر وضو کرتے تھے آج غسل کیجئے، روز نماز پانچ وقت کی پڑھتے، آج چھ وقت کی پڑھیئے۔ دن نکلنے کے بعد ذرا اچھا سا لباس پہن گھر سے باہر عیدگاہ کے قصد سے نکلیئے اور وہاں پہونچکر سب کے ساتھ مل کر نماز پڑھیئے اور خطبہ سنئے اور اس کے قبل ہی کچھ خیر خیرات کر ڈالیئے اور دن بھر دوست احباب، عزیز آشناؤں سے ملتے رہیئے۔ جس عید کی اتنی دھوم مچی ہوئی ہے، یہ ہے اس کی کل کائنات! بقر عید میں بجائے نقد و جنس کی خیرات کے بعد نماز، حسب مقدور جانوروں کی قربانی پیش کیجئے۔ عیدگاہ جاتے آتے، دونوں عیدوں کے موقع پر کسی مائی ماتا دیوی، دیوتا کی جے پکارتے نہیں، باآواز بلند ذکر الٰہی کرتے رہیئے!۔

کیا میرے ہاں بھی بندروں کے چہرے لگانے پڑتے ہیں؟ میرے ہاں بھی جسم پر راکھ اور بھبھوت مل، طرح طرح کے روپ بھرنے پڑتے ہیں؟ میرے ہاں بھی ماؤں اور بہنوں اور بیٹیوں کے سامنے گندے سے گندے گیت گانے ہوتے ہیں؟ میرے ہاں بھی یہ ہوتا ہے کہ اس نے مارے پچکاریوں کے اس کی شکل بگاڑ دی، اور اس نے اتنا رنگا کہ انسان کے بجائے انسان کا "کیری کیچر" بنا دیا؟ —— مستیوں میں بھی اتنا ہوش، سوا میرے دامن کے اور کس کے سایہ میں ملے گا؟ کھیل کود میں

بھی اتنی صفائی اور ستھرائی! اس لطافت کی، اس نفاست کی، اس نظافت کی مثال اور کہیں ملے گی؟

کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانہ کو؟

ہمسایہ قوموں میں اپنے اپنے تیوہاروں کو "پوتر" یعنی پاک وصاف بنانے کی جو تحریکیں شروع ہوئی ہیں یہ سب اگر میرا فیض نہیں تو اور کیا ہے؟

حاکم اور محکوم کے باہمی تعلق کے اندازہ میں دنیا اب تک کیسی کیسی خونریز غلط فہمیوں کا شکار رہی ہے! اور آج تک انھیں غلط فہمیوں پر اصرار ہے۔ کوئی روس کی سوویٹ کے بت کا پجاری ہے، اور کسی کا عقیدہ ہے کہ فلاح قوم و نجات ملک نازیت یا فاسطیت سے وابستہ ہے اور کسی نے اپنی گرو ڈیماکریسی (عمومیت) سے لگا رکھی ہے اور پھر ان میں سے ہر ایک عقیدہ کے "پرچار" (اشاعت) کے لئے دلائل استعمال ہو رہے ہیں، توپ اور مشین گن، بم اور گیس کے، میں نے اپنی طاقت کے وقت بتایا، اور بتایا کیا صاف صاف راستہ دکھایا کہ یہ ساری غلط فہمیاں شاخ ہیں ایک اساسی غلط فہمی، یعنی مقصد حکومت کی گمراہی کی جڑ یہی ہے، انسان نے حاکم اپنے کو سمجھ لیا، اور قوی کمزور پر، زبردست زیر دست پر حکمراں ہو بیٹھا۔ میں نے علی الاعلان کہا کہ حکومت تو صرف اللہ کی ہے (انِ الحکمُ الا للہ) بشر، بشر پر حاکم کیسے ہو سکتا ہے۔ البتہ بشر کا کام خلافت الٰہی، نیابت الٰہی، قوانین الٰہی کا نفاذ ہے۔ قانون ساز وہ نہیں قانون ساز تو کوئی اور ہے۔ بشر کا کام الٰہی قاعدوں اور ربّانی ضابطوں کو دنیا میں صرف چلانا، پھیلانا ہے۔ کانسٹی ٹیوشن (آئین و دستور) والی ساری دشواریاں اس ایک نکتہ سے کافور ہو گئیں۔ اب میرے سامنے یہ سوال ہی نہ رہا کہ کانسٹی ٹیوشن کیا ہو۔ سوال صرف یہ رہ گیا کہ اس کے چلانے والے کون ہوں؟ وہ ہوں جو متدین

ہوں، جو صاحبِ ضمیر ہوں، کیرکٹر والے ہوں، امین ہوں، متقی ہوں، اپنے اعمال و اقوال و احوال کے ذمہ دار و جواب دہ، مخلوق کے سامنے نہیں، خالق کے سامنے ہوں اور فاروق رضؓ و صدیق رضؓ کی حکومتوں نے دکھلا دیا کہ بغیر انسانی دماغوں کے تیار کئے ہوئے کاغذی طومار کے بغیر لکھو کھا روپیہ کی سمبلی اور کونسل کی عمارتوں کے بغیر کونسلوں میں نا ختم ہی سلسلۂ سوال و جواب کے بغیر منسٹروں سکریٹریوں، پارلیمنٹری سکریٹریوں کی وساطت، اور بغیر سکریٹریٹ کی انبوہ در انبوہ فوج کے روئے زمین پر عدل کی حکومت کس طرح قایم ہو سکتی ہے۔

زن و مرد کا باہمی رشتہ اور تعلق سمجھنے میں دنیا نے شروع سے اب تک کتنی ٹھوکریں کھائی ہیں اور برابر کھاتی جا رہی ہے کسی نے کہا عورت مرد سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور اس کی پرستش شروع کر دی، کسی نے کہا مرد مالک ہے اور اس نے عورت کو باندی سے بدتر کر رکھا اور کوئی بولا کہ دونوں بالکل مساوی ہیں، اور اپنے قاعدہ قانون کی بنیاد اس نظریہ مساوات پر رکھنی چاہی ہے۔ سے اپنے دور میں ان ساری بے اعتدالیوں سے ہٹ کر عین منشائے فطرت کے مطابق فیصلہ یہ کیا کہ بلحاظ اصل و خلقت دونوں ایک ہی ہیں (خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً) بلحاظ عمل دونوں کے مرتبے آخرت میں یکساں ہوں گے (لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ) اور للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن) میرے ہاں یہ بحث کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی کہ آیا عورت بھی ذی روح ہے؟ اور نہ میرے ہاں کبھی دینی مقتداؤں کی کونسل نے جمع ہو کر اس سوال کا جواب نفی میں دیا اور نہ میرے ہاں یہ عقیدہ رہا کہ عورت اور شیطان ہم جنس ہیں بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ علاوہ آخرت کے دنیا میں بھی جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے، عورت مرد میں کوئی فرق نہیں، بیویوں پر جس طرح شوہروں کی خدمت لازمی ہے، اسی طرح

شوہروں پر بھی بیویوں کی دلجوئی فرض ہے (ولھن مثل الذی علیھن) لیکن اس کے آگے جہاں انسانیت کا اشتراک ختم ہوتا ہے، صنفیت کا امتیاز شروع ہوتا ہے اور اگر یہ امتیاز نہ ہو تو پھر دونوں صنفوں کی تفریق کے معنی ہی کیا رہتے ہیں؟) اس امتیاز میں انتظامی حیثیت سے مرد کو عورت پر افسری اور بالادستی حاصل ہے (للرجال علیھن درجۃ) کفالت، خبرگیری، بیرونی جدوجہد کے فرائض صنف قوی، مرد کے ذمہ عائد ہوتے ہیں (الرجال قوامون علی النساء) اور اسی مناسبت سے اسے قوی بھی عطا کئے گئے ہیں۔ عورت کے ذمہ دوسری قسم کی یعنی اہلی و خانگی ذمہ داریاں ہیں، بچوں کی پیدائش، پرورش، ان کی سیرت سازی وغیرہ اور سب سے بڑھ کر مرد کی نظر میں مرغوبیت۔ محبوبیت (ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ) اور اسی لئے اسے دوسری قسم کے آلات و قوی سے مسلح کرکے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اب اس قدرتی تفریق، امتیاز کو بھی اگر کوئی شخص خلاف عدل سمجھے تو یہ اعتراض بالکل اسی درجہ کا ہوگا جیسے کوئی یہ کہے کہ خاتم النبین عرب میں کیوں پیدا ہوئے، ہندوستان اور جاپان کو اس دولت سے کیوں محروم رکھا گیا؟ یا فلاں ملک کے باشندے گورے کیوں بنائے گئے اور فلاں ملک کے کالے کیوں؟ (ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض)۔

میرے ہاں کے سارے قوانین نکاح، طلاق، عدت، خلع، تعدد ازدواج وغیرہ انھیں بنیادی اور فطری حقیقتوں پر مبنی ہیں اور آج دنیا کے سارے اگلے اور پچھلے قانون سازوں کو، مشرق اور مغرب کی ساری پارلیمنٹوں، قانونی کونسلوں کو، لیجسلیٹو اسمبلی کو چیلنج پر چیلنج دے رہے ہیں کہ دکھاؤ کوئی نظام قانون اتنا جامع۔ ایسا ہر پہلو کی رعایت رکھنے والا، ایسا ہر مصلحت پر شامل (فاتوا بسورۃ من مثلہ) رومی مشرکوں اور متاخر یونانیوں نے طلاق کا دروازہ کھولا تو نوبت یہاں تک پہنچی

کہ ایک ایک رومی خاتون کے لئے آٹھ آٹھ دس دس شوہروں کی شمع خلوت روشن رکھنا معمولی سی بات بن گئی، اور بعض نے تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ترقی کر دکھائی۔ لیکی کی ہسٹری آف یورپین مارلس" (تاریخ اخلاق یورپ) اور ویسٹر مارک کی "ہسٹری آف میرج" (تاریخ نکاح) ذرا پڑھ کے تو دیکھئے، ادھر مسیحی کلیسا نے حضرت مسیح کی تعلیم کو مسخ کر کے وقوع طلاق پر بالکل مُہر ہی لگا دی، نتیجہ یہ ہوا کہ فحش اور بدچلنی کے گرد جو بند باندھ دیا گیا تھا، وہ ٹوٹا اور سیلاب پوری ہلاکت خیزیوں کے ساتھ بڑھا، خود آج امریکہ اور یورپ کی عدالتوں میں مقدمات طلاق کی کیسی گرم بازاری ہے، اخبارات میں اُن کی رپورٹیں ملاحظہ فرمائیے۔ مشرق کی بدنام حرم سرا کی خلوتوں کا جواب کئی گنی کثرت کے ساتھ، مغرب کی نیک نام عدالتوں کی جلوتیں مہیا کر رہی ہیں یا نہیں؟ اسی طرح ہندوستان کے ہندی اور ہندو تمدن نے اس دروازہ پر قفل چڑھائے رکھنے کی صدیوں تک ناکام کوشش کر دیکھی اور اب آخر کار، ہر طرف سے تھک کر، ہار کر ہر تدبیر سے عاجز آ کر، برطانیہ اور فرانس، جرمن اور اٹلی امریکہ اور ہندوستان سب کہیں کے مصلحین اور مقننین، اسی نقطۂ اعتدال کی طرف آ رہے ہیں یا نہیں جو میں مدتوں پیشتر مقرر کر چکا ہوں؟ یعنی طلاق کی اجازت خاص خاص قیود اور شرائط کے ساتھ۔ گو اب بھی اپنی کج رائی و خود رائی پر اعتماد کر کے اور مجھ سے بے نیاز رہ کر طرح طرح کی ٹھوکریں کھائی جاتی ہیں۔

میں نے جس طرح طلاق کو عین فطرت بشری و احوال انسانی کے مطابق چند قیود و شرائط کے ساتھ محدود کر کے روا رکھا ہے، اُسی طرح مرد کے لئے بھی چار شادیوں کی اجازت، اس کی ضرورتوں، مصلحتوں، سہولتوں کی رعایت، نیز ملک و قوم کے عرف عام کا اعتبار کر کے دی ہے اور علاوہ عدل کے، طلاق ہو یا تعدد ازدواج، بطور قاعدہ کلیہ، حسن معاشرت کی قید ہر جگہ لازمی رکھی ہے (وعاشروھن بالمعروف)

ایسی کسی صورت کی گنجائش ہی نہیں رکھی کہ عورت پر خواہ مخواہ ظلم ہو، ہندیوں نے مدتوں ایک بیاہتا بیوی کے ہوتے دوسری بیوی کا نام لینے کا نو پر ہاتھ دھرے۔ فرنگیوں نے "پالیگمی" کا تلفظ کر کر کے خوب خوب ٹھٹھے لگائے لیکن حقائق و واقعات کی ٹھوس دنیا نہ تبری و تحاشی کے نعروں سے ٹل سکتی ہے نہ تالیوں اور قہقہوں سے اب (The age [case] for Polygamy) کے نام سے خاص لندن میں بیٹھ کر کتابیں لکھی جاتی ہیں اور طنز و تعریض کے نعروں میں بھی اب نہ وہ بلند آہنگی باقی رہ گئی ہے، نہ وہ جوش و خروش۔ صنفیات کے وہ نئے نئے پیچیدار مسائل جنھوں نے برنارڈ شا اور برٹرینڈ رسل جیسے فلسفیوں اور مفکروں سے لیکر ادنیٰ اخبار نویسوں تک کو غلطاں و پیچاں، حیران و سرگرداں کر رکھا ہے کبھی میرے دورِ عروج میں بھی پیدا ہوئے تھے؟ (what a shawtragic) کی الجھنیں سلجھانے والی بیسیوں کمیشنوں و کمیٹیوں کے بعد بھی قائم رہ جانے والی الجھنیں کبھی اس وقت بھی نمودار ہوئی تھیں؟ برتھ کنٹرول اور کنٹراسپشن کی عالمگیر ہنگامہ خیزی، گو خود یورپ و امریکہ میں ذلت و نامرادی کا منہ دیکھ رہی ہے لیکن مس رابرٹ سینگر اور مس میری اسٹوپس کے بے پناہ پروپیگنڈہ کی سلامتی میں خود ہندوستان کے ایک ایک اسکول تک پہونچ چکی ہے مگر جن ممالک میں میرا آج بھی تھوڑا بہت اثر باقی ہے نجد و حجاز و مراقش وغیرہ وہاں کوئی خواب بھی اس کا دیکھ سکتا ہے؟ پیشہ ور (پروفیشنل) اور شوقیہ (امیچور) پراسٹیٹیوشن کے یہ اعداد (ملاحظہ ہو اسکاٹ کی ہسٹری آف پراسٹیٹیوشن) بن بیاہی ماؤں کی یہ افراط ناجائز ولادتوں کا یہ انبار آج بھی کہاں ہے؟ ماسکو اور نیویارک، لندن اور پیرس کے جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں، پارکوں، اور ایوانوں میں یا ان ملکوں اور شہروں میں جہاں اب بھی کچھ ٹوٹے پھوٹے آثار پائے چلے جا رہے ہیں؟

"انقلاب زندہ باد" کا نعرہ آج بچّہ بچّہ لگاتا ہے۔ کبھی آپ نے اُس شخص کی بھی سیرت پر نظر کی ہے جو دنیا میں ایک مستقل مستمر انقلاب (Perpetual Revolution) پھیلا گیا؟ اور جس کا پیدا کیا ہوا "انقلاب" عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، ہر شعبۂ حیات میں آج بھی ساری دنیا کے مقابلہ میں ایک چیلنج ہے اور قیامت تک رہے گا۔ آئیے اُس کی ایک ہلکی سی جھلک مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کی وساطت سے دیکھتے چلیں۔

"گھر کا سارا کام کاج خود کرتے کپڑوں میں پیوند اپنے ہاتھ سے لگا لیتے گھر میں جھاڑو خود دے دیتے۔ بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے۔ بازار سے سودا خود جا کر لاتے۔ جوتہ پھٹ جاتا تو اُسے ٹانک لیتے۔ غلاموں کے ساتھ، مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے۔ اُن کے ساتھ کھانا کھانے میں کسی قسم کا تکلف نہ تھا۔ گدھے کی سواری سے عار نہ تھا، ایک بار مکان سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے فرمایا، یہ اہل عجم کی طرح بار بار تعظیم کے لئے اٹھنا کیا معنی؟

صحابہؓ جانیں فدا کرنے کو تیار رہتے تھے، ہر بڑی سے بڑی خدمت اور اُس کی راہ میں بڑی سے بڑی ....
مشقت اپنے لئے باعث فخر و سعادت سمجھتے تھے اس پر بھی یہ حال تھا کہ جب وہ کوئی کام کرنے لگتے تو آپ بھی اُن کے شریک ہو جاتے اور مزدوروں کی طرح کام انجام دینے لگتے۔ مدینہ میں جب مسجد نبوی تیار ہونے لگی تو دست مبارک سے اینٹیں اُٹھا اٹھا کر لاتے اور جاں نثار خدام کی جماعت یہ کہتی ہی رہ جاتی کہ ہماری جانیں آپ پر قربان، یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب صحابہ، شہر مدینہ کے گرد خندق

> کھود رہے تھے۔ آپ نے بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ جسم مبارک پر خاک کی تہہ جم گئی۔ غزوۂ بدر میں سواریاں بہت کم تھیں تین تین آدمیوں کے درمیان ایک ایک اونٹ پڑتا تھا آپ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور شخصوں کے ساتھ شریک رہے اور خدام و جان نثاران اپنی باری پیش ہی کرتے رہ گئے۔" (سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۲۲۷ ملخصاً)

کوئی دو چار دس پانچ واقعات ہوں تو انھیں گن کر بیان کر دیا جائے اُسی مقدس ہستی کی مقدس زندگی تو لبریز انھیں واقعات سے ہے، کوئی پوری سیرت نبوی اس مختصر صحبت میں کیسے سُنا ڈالے، یہ نمونہ اُس ذات نے پیش کیا جو نبوت و رسالت کے روحانی مراتب سے قطع نظر بہرحال اپنی قوم کا بڑا دنیوی سردار بھی تو تھا۔ آج دُنیا کے ڈکٹیٹروں (آمروں) کو چھوڑیئے، بادشاہوں اور تاجداروں کو بھی الگ کیجئے۔ رئیسوں اور امیروں کا جو برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ، اور افسروں کا جو معاملہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ رہتا ہے! ان سب کو بھی جانے دیجئے۔ جو صاحب جلسوں میں تھوڑی دیر کے لئے صدر منتخب ہو جاتے ہیں خود ان کا رویّہ والنیٹروں (رضاکاروں) کے ساتھ کیا رہتا ہے؟

ایک نمونہ زندگی کا وہ تھا، ایک یہ ہے۔ اس نمونہ کے بعد کہیں بھی بالشویزم کا، انارکزم کا، بغاوت کا اسٹرائک کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟

دو واقعات ملتے جلتے، میرے عہد زرّیں کے اور سُنتے چلیئے:۔

> غزوۂ تبوک میں سامان رسد کی کمی پڑ گئی اور صحابہ بھوک سے نہایت درجہ پریشان ہوئے خیال ہوا کہ اونٹ ذبح کئے جائیں اس پر حرج یہ ہوتی کہ معرکۂ جنگ میں سواریاں بھی تو اہم چیزیں ہیں، بالآخر آپ نے یہ کیا کہ ہر شخص کے پاس سے اسکا بچا ہوا سامان رسد طلب فرمایا کوئی کم لایا کوئی زیادہ ایک چادر پر اکٹھا کر کے آپ نے اس پر دُعائے برکت فرمائی اور پھر سب سے کہا کہ اپنے اپنے برتن اس مجموعہ سے بھر لیں راویوں کا بیان ہے کہ سب نے اپنے

اپنے برتن بھر لئے اور خوب سیر ہو کر کھایا اور سامان پھر بھی بچ رہا۔ اسی طرح ایک اور سفر میں جب آپ نے سامانِ رسد میں نمایاں کمی اور صحابہ میں بھوک کی بیتابی دیکھی تو سب کا زادِ راہ ایک چادر پر ڈھیر کرا لیا۔ اس نے کل اتنی جگہ گھیری کہ اس پر ایک بکری بیٹھ سکے اور اشخاص کی تعداد ۱۴۰۰ لیکن اس پر بھی سب لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔ (سیرۃ النبی۔ جلد ۳ ص ۴۲ ملخصاً)

محدثین نے تو ان واقعات کو کتاب الایمان وغیرہ کے ماتحت درج کیا ہے اور انھیں معجزاتِ نبوی میں شمار کیا ہے، معجزہ تو نبی کی ایک ایک بات تھی، لیکن میں کہتا ہوں کہ صحیح کمیونزم کی مثال ان واقعات سے کہیں بڑھ کر ملے گی؟ پھر اسی کے ساتھ اس تاریخی حقیقت کو بھی ملائیے کہ ریاستِ حجاز، بلکہ سارے ملک عرب کے اس فرماں روا کا عام سامانِ معیشت کیا تھا؟ رہنے کے لئے صرف معمولی حجرہ! بادشاہوں کے محل اور رئیسوں اور امیروں کی کوٹھیاں الگ رہیں، ان کے ایک بڑے کمرہ سے بھی چھوٹا حجرہ! نہ کوئی الگ بڈروم، نہ ڈرائنگ روم، نہ ڈائننگ روم، اسی حجرہ کے اندر سارا انتظام خانہ داری! اور اس کا فرنیچر؟ محض کھجور کی کھردری چٹائی، جس پر لیٹنے سے جسمِ مبارک پر بدھیاں پڑ پڑ جاتی تھیں، کوچ اور صوفے نہ سہی روم کے پرستان اور ایران کے ریشمی قالین تو ہوتے! اور خیر یہ تو عہد سراپا خیر و برکت اور سرتاسر تقدس تھا ہی، صدیقؓ و فاروقؓ کے راستے سے ہوتے ہوئے عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں آیئے، کہ وہ تو ایک بادشاہ تھے اور بادشاہ بھی خاندان بنو امیہ کے، وہاں بھی تاریخ کی زبان آپ کو یہ واقعات سنائیگی کہ،

"خلیفہ ہونے کے بعد جب شاہی سواریاں آئیں تو ان کو یہ کہکر واپس کر دیا کہ میرا خچر میرے لئے کافی ہے سوار ہو کر چلے تو کوتوال نے برچھا لے کر آگے آگے چلنا چاہا اُس کو یہ کہکر ہٹا دیا کہ میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں، قصرِ خلافت میں داخل ہوئے، تو تمام پردوں کو چاک

چاک کرا دیا اور خلیفہ کے لیے جو فرش بچھایا جاتا تھا، اُس کو فروخت کر کے اُس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔

"ایک بار ایک لونڈی پنکھا جھل رہی تھی کہ اس حالت میں اُس کی آنکھ لگ گئی۔ انہوں نے خود پنکھا لے لیا اور خود اُس کو جھلنے لگے۔ وہ جاگی تو بولے کہ تو بھی میری طرح آدمی ہے تجھے بھی میری طرح گرمی معلوم ہوئی، میں نے چاہا کہ جس طرح تو نے مجھے پنکھا جھلا ہے میں بھی تجھے پنکھا جھل دوں (سیرۃ عمر بن عبد العزیز صفحہ ۶۴-۶۳)

یہ سب میرا ہی تو پر تو تھا، اور آگے چلیئے، تاریخ اسلام کی چھ صدیوں کا سفر طے کر کے ساتویں صدی ہجری کے ہندوستان میں آجائیے۔ اس وقت دلی کے تخت پر سلطان ناصر الدین محمود نظر آئیں گے۔ تاریخ کی زبان اُن کے حق میں یوں گویا ہے:-

نفقۂ خاصۂ خود را از وجہ کتابت مصحف مجید ساختہ روزگار خود می گذرانید و اموال پادشاہی را در نفقۂ خود اصلاً صرف نہ می نمود	قرآن مجید کی کتابت کر کے اُسی کو وجہ معاش بناتے اور شاہی مال و دولت سے ہرگز اپنا ذاتی خرچ نہ چلاتے،

(تاریخ فرشتہ جلد اوّل صلا نولکشوری)

اور پھر تصریح ہے کہ ایک بار ایک امیر سلطنت نے بادشاہ کا خط پہچان کر اُن کے مکتوب قرآن کو گراں معاوضہ پر لے لیا تھا، اس کی خبر سلطان کو ہو گئی تو ناخوش ہوئے اور حکم دیا کہ آئندہ میرا لکھا قرآن بازاری نرخ پر، بالکل خفیہ ہدیہ ہوا کرے۔

میرے عہد میں ممکن نہیں کہ کوئی بیوہ، بڑھیا، کوئی یتیم بچہ، کوئی معذور، کوئی اپاہج، کوئی مسکین، بھوکا اور بے رزق سوئے۔ میرے نظام میں زکوٰۃ فرض ہے یعنی ہر صاحب استطاعت پر لازم ہے کہ اموال نامیہ یعنی نقد اور سونے چاندی سے چالیسواں حصہ، اور زمینی پیداوار سے بیسواں اور دسواں حصہ اور مویشیوں جانوروں سے بھی

ایک مقررہ تعداد میں، غریبوں، مسکینوں، اہل حاجت کو دیتا رہے! ور پھر یہ شرح لازمی ہے۔ یعنی اگر نہ دے گا تو اسی طرح قابل مواخذہ رہے گا جس طرح اللہ کی براہ راست عبادات و نماز وغیرہ کے ترک سے اور پھر اس سے زیادہ جتنا بھی ہو سکے دیتا رہے۔ یہ دنیا سب اپنے اجر و ثواب، اپنی ہی فلاح و بہبود کے لئے ہے، کسی (Poor Law System) کی اجرار کی میرے حدود کے اندر مطلق ضرورت نہیں! اس نظام زکوٰۃ و صدقات کی قدر کوئی ڈاکٹر ڈرا آپر امریکی سے اور ڈاکٹر لائٹینر (سابق ڈائرکٹر پنجاب سے) اور پھر امریکہ کے ایک زندہ ماہر نفسیات و اجتماعیات ڈنیبین کے وہاں سے پوچھئے کیپٹلزم (سرمایہ داری) کی لعنت کی اصل بنیاد کیا ہے؟ سود اور صرف سود، شرح زیادہ ہو یا کم، سود خوار ہی ایسا شخص ہے، جو برخلاف تاجر کے جسے صدہا خطرات سے دوچار رہنا پڑتا ہے، اور برخلاف ورکرز (عمال) کے بے ہاتھ پیر ہلائے اور بلا کسی قسم کا خطرہ برداشت کئے مال پر قابض اور جائداد کا حصہ دار ہو جاتا ہے۔ میں نے فلسفہ معاشیات میں اسی دکھتی ہوئی رگ کو پکڑ کر کاٹ دیا ہے! ور سود کو ہر صورت میں ممنوع قرار دیا ہے، آج دنیا، اور خود ہندوستان کی دنیا۔ سرمایہ داری کے خلاف بڑے سے بڑے پرشور نعرے بلند کر رہی ہے لیکن ہے بجز میرے کسی میں یہ ہمت کہ خون چوس چوس کر پلنے والے ساہوکاروں ہی کی نسل کا سرے سے قلع قمع کر دے؟

اس زمین میں کمیونزم کا پودا جڑ پکڑ سکتا ہے؟ اس فضا میں سوشلزم کا تخم کبھی پھول پتیاں لا سکتا ہے؟ یہاں مراد اس جھوٹے سوشلزم اور کمیونزم سے ہے، جو مزدک ایرانی کا چلایا ہوا ہے اور جس کی ان سو ڈیڑھ سو برس کی زندگی کا حاصل صرف طبقہ داری جنگ اور اخلاقی انارکی نکلا اور جو محض روس کی نقالی میں ہندوستان کے سر تھوپا جا رہا ہے، ورنہ سچی سوشلزم اور صحیح کمیونزم تو لازمۂ شرافت و انسانیت ہے، اور عین میرا جزو ہے، اور اسی کی تو مثالیں ابھی ابھی پیش ہو چکیں ——

میں نے اپنے نظام میں ہر شخص کو اُس کی ذاتی محنت واہلیت اور اس کے بزرگوں کی جائداد سے فائدہ اُٹھانے کا پورا موقع دیا ہے اور فطرت کے قائم کئے ہوئے فرق مراتب کو پوری طرح قائم رکھا ہے، اور اس حد تک میں کمیونزم کا مخالف ہوں، لیکن دوسری طرف میں نے سود کو قطعی حرام کرکے سود درسود کے چکر کو ہمیشہ کے لئے بند کرکے جائداد کو مختلف حصّہ داروں میں تقسیم کرکے خیرات وصدقات کی انتہائی ترغیب دے کر اور احسان رکھنے کے بجائے انھیں خود ایک نوع کی خدمت قرار دیکر اور زکوٰۃ کی فرضیت پر زور دیکر اور ضعیفوں، مسکینوں، سب کے پورے پورے حقوق قرار دے کر، سرمایہ پرستی (کیپٹلزم) کو بھی ہمیشہ کے لئے دفن کردیا ہے۔

موضوع کی وسعت قریباً بے پایاں، بزم کا وقت محدود ومختصر، میرے پیام کا خلاصہ درخلاصہ چند لفظوں میں یہ ہے کہ دنیا کے لئے پیام امن اگر ہے تو میری ہی ذات ہے۔ خوب غور کرکے دیکھ لیجئے جرایم کی تعداد روزافزوں کہاں ہے اور بمنزلہ صفر کہاں؟ چوری کے، ڈکیتی کے، نقب زنی کے، آتش زنی کے، زہر خورانی کے جعلی دستاویزوں کے، حرام کاری کے، دروغ حلفی کے، قتل کے، ضرب شدید وخفیف کے۔ خودکشی کے واقعات وہاں زیادہ پیش آتے ہیں، جہاں میرے نام سے بھی عداوت ہے یا جہاں میری تھوڑی بہت حکومت قایم ہے؟ جنون اور دماغی اور عصبی بیماریاں شدت سے کہاں پھیلی ہوئی ہیں؟ میری عملداری میں، یا میرے دشمنوں کے قلمرو میں؟ اندھے پن کے، بہرے پن کے آنکھوں اور کانوں کی طرح طرح کی پیچیدہ بیماریوں کے لئے نئے نئے آلات کی نئے نئے اسپتالوں کے کھلنے کی ضرورت کہاں پیش آرہی ہے؟ کالجوں والے، یونیورسٹی والے، سینما والے، تھیٹر والے، ٹرام والے، مل اور فیکٹری والے، ورکشاپ اور مشین والے، شہروں میں، یا وہاں، جہاں ابھی تک میری سادگی قایم ہے؟ معدہ آنت، دانت اور آلات ہضم کی خرابیاں کہاں زیادہ پھیل رہی ہیں؟ وہاں جہاں

بڑے بڑے شاندار ہوٹل موجود ہیں، جہاں پُر تکلف غذاؤں پر منہ ہر وقت چلتا رہتا ہے، جہاں برف اور طرح طرح کے مصنوعی پانیوں کی گرم بازاری رہتی ہے، اور جہاں سگرٹ اور سگار اور ایل اور وہسکی کے دور ہر وقت چلتے رہتے ہیں۔ یا میرے سادہ دسترخوان پر؟ عام صحتیں کہاں درست رہتی ہیں؟ وہاں جہاں طہارت وغسل سے لوگ ناآشنا ہیں اور جہاں صبح آٹھ آٹھ اور نو نو بجے ہوا کرتی ہے؟ یا میرے ہاں جہاں طہارت اور وضو فرض ہے، اور غسل کی پوری ترتیبات موجود اور جہاں سونے کے لئے لازم کہ پچھلے پہرے اگر نہیں تو کم از کم قبل فجر تو ضرور ہی اُٹھ بیٹھے، اور دن رات میں کم از کم مسجد تک نو پانچ مرتبہ آمد و رفت رکھے۔ آتشک اور طرح طرح کی اور جان لینے والی گندی بیماریوں کا زور کہاں ہے؟ وہاں جہاں ہر پارک میں، ہر کلب میں، ہر موٹر پر، ہر ٹرین پر، ہر کشتی پر، ہر جہاز پر مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط قائم ہے، جہاں زنانہ لباس کی عریانی یا نیم عریانی داخل فیشن ہے، جہاں نمائش جمال وزیبائش عیب نہیں، ہنر ہے، اور جہاں آرٹ اور فائن آرٹ کے پردہ میں ہر بے پردگی اور ہر بے حیائی دلیل کمال ہے، یا میرے حجروں اور زاویوں میں جہاں نہ کوئی سینما کے نام سے آشنا، نہ کوئی برہنہ رقاصی کا قدردان، جہاں نہ کوئی عصمت فروشی کا بازار نہ کوئی ہائڈ پارک، اور جہاں کے بسنے والے پابند ہیں قانون حجاب کے، اور پتلے ہیں شرم وغیرت کے؟ راحت قلب وسکون خاطر کہاں زیادہ نصیب ہے؟ وہاں جہاں چوبیسوں گھنٹے تار اور ٹیلیفون اور گراموفون اور ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر گنگناتے رہتے ہیں، اور جہاں اخبار فروش ہر لمحہ اپنی روزی کے لئے ایک نیا ہیجان تلاش کرتے رہتے ہیں، یا وہاں جہاں کے باشندے قناعت اور صبر وضبط نفس کے فضائل کا سبق پڑھ چکے ہیں؟ غرض روح کی بالیدگی وتازگی کے سوال کو تو چھوڑیئے، ٹھیٹھ مادیات کی عینک سے مجھے اور میرے حریف کو دیکھئے اور پھر اپنی حالت کو سوچیئے ع

چشم بروے من کشا بازبہ خویشتن نگر

اور بیسویں صدی سے جو مجھے چھوڑ چکی ہے اور چھوڑتی جاتی ہے کہئے،

بہ بیں کہ باکہ بریدی و باکہ پیوستی

گو یہ بھی ایک عجیب تماشہ ہے کہ ساتھ ہی ساتھ غیر شعوری طور پر میرے قریب آتی جاتی، اور میرے بکھرے ہوئے اجزا کو میرا نام زبان پر لائے بغیر، میری جانب منسوب کئے بغیر، ایک ایک کرکے اپنے اندر سمیٹتی ہی جاتی ہے۔

اگر

آپ اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا کچھ ذوق رکھتے ہیں تو انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سلسلہ مطبوعات کا جو ملک و ملت کے مقتدر علماء کی کاوشوں کا ایک مبارک ثمرہ ہے ....

مطالعہ فرمائیے

اور سرورق کے اشتہارات ملاحظہ فرماکر معتمد نشر و اشاعت سے یہ نادر علمی ذخیرہ طلب فرمائیے۔

خود پڑھ کر بہرہ اندوز ہوجیئے اور اپنے حلقۂ احباب میں اس کی اشاعت کیجئے۔

زیادہ تعداد میں طلب فرمانے اور مفت تقسیم کرنیوالے حضرات کے ساتھ قیمت میں خاص رعایت کی جائے گی۔

معتمد نشر و اشاعت انجمن ہذا

سلسلہ مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ و تمدن (۱)

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے

یعنی

متکلم اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور کا وہ بصیرت افروز اور جامع مقالہ جو انہوں نے انجمن اسلامی تاریخ و تمدن کے زیر اہتمام ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء کو مسلم یونیورسٹی کے طلبا و اساتذہ و دیگر اہل علم حضرات کے ایک عظیم الشان جلسے میں پڑھا جس میں اسلامی نظام حکومت کے صحیح تخیّل پر ایک مدلل اور سیر حاصل بحث کی گئی۔ اور ان تمام خام خیالیوں کو دور کیا گیا جو اس منزل تک پہونچنے کے لئے اس دور میں کیجارہی ہیں مضمون اگرچہ مختصر ہونیکی وجہ سے ایک چھوٹے سے پمفلٹ کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ موضوع کے ہر پہلو پر نہایت دلنشین اور مدلل انداز میں خاطر خواہ بحث کی گئی ہے، جو حضرات دور حاضر کے اس اہم مسئلہ کو واقعی سمجھنا چاہتے ہیں وہ اس مضمون میں کافی اطمینان بخش مواد۔ اور دلائل، پائیں گے۔ نظامِ حکومت کا طبعی ارتقاء۔ اصول حکومت۔ خلافتِ الٰہیہ۔ اسلامی انقلاب کی سبیل اور اسلامی تحریک کا مخصوص طریق کار اس مقالے کے خاص عنوانات ہیں۔

زبان دلنشیں و دلپذیر، پیرایہ بیان سلیس، عام فہم اور مدلل ہے، جدید تعلیمیافتہ طبقہ کے لئے اسکا مطالعہ بیحد مفید ثابت ہوگا۔

کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ کاغذ عمدہ اور چکنا ۲۰ پاؤنڈ۔ ضخامت ۴۰ صفحات سائز ۱۸×۲۲/۸ ان تمام محاسن کے باوجود قیمت صرف ۳ر

اگر آپ اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں تو اس مقالے کو ضرور منگائیے، اور پتہ ذیل پر فرمائش کیجئے۔

محامد اللہ انصاری معتمد نشر و اشاعت

انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سلسلۂ مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ و تمدن (۳)

فردوسِ گم گشتہ

(از جناب غلام احمد صاحب پرویز ہوم ڈیپارٹمنٹ دہلی)

پرویز صاحب کی ذاتِ گرامی اسلامی اور علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ تقریباً پندرہ سال سے قرآن کریم کا ایک عمیق مطالعہ فرما رہے ہیں اور دو تین سال سے آپ نے مسلمانوں سے متعلق ان تمام اہم مسایل کو جو ہندوستان کی سیاست میں پیدا ہوتے رہتے ہیں کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھنے اور فرقانِ حکیم کی کسوٹی پر پرکھنے کا بیڑا اُٹھایا ہے جس میں الحمدللہ بہید کامیاب ہیں۔

فردوسِ گم گشتہ آپ کے عمیق مطالعۂ قرآنی اور علوم اسلامی کے گہرے غور و خوض کا ایک مبارک ثمرہ ہے جو آپ نے انجمن اسلامی تاریخ و تمدن کی دعوت پر طلبا و اساتذۂ مسلم یونیورسٹی کے سامنے پیش فرمایا، جس میں قانونِ فطرت، اجتماعیات اسلام خلافتِ الٰہیہ، خلافتِ نبویہ اور اسلام کے عناصر ترکیبی پر ایک سیر حاصل بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اسلام اجتماعی زندگی کا دوسرا نام ہے اور اجتماعی زندگی کے بغیر اسلام کا تصور ہی غلط ہے۔

جناب پرویز نے موضوع سے متعلق تمام امور کو زیر بحث لے لیا ہے اور جابجا آیات قرآنی سے استدلال فرما کر مضمون کو اور زیادہ دلنشین بنا دیا ہے، خلافتِ راشدہ کے نظام کے بعد ہماری اجتماعی زندگی کیونکر منتشر ہو گئی، اس کے اسباب و علل اور پھر اس اجتماعی نظام کو استوار و مضبوط کرنے کے وسائل —— یہ تمام باتیں نہایت جامع طور سے اس مختصر مقالے میں بیان کر دی گئی ہیں علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کے کلام کی جابجا مثالوں نے بیان کو اور زیادہ دلآویز و دلپذیر کر دیا ہے، زبان حلاوت آمیز اور پیرایہ بیان آسان و عام فہم ہے۔ لکھائی چھپائی بہترین ضخامت ۲۰ صفحات سائز $\frac{26 \times 20}{8}$ قیمت صرف ۲ر

ملنے کا پتہ پشت پر ملاحظہ فرمائیے

سلسلۂ مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ وتمدن (۲)

سائنس اور اسلام

یعنی

حضرت الحاج مولانا حافظ قاری محمد طیّب صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ دار العلوم دیوبند کی وہ معرکۃ الآرا تقریر جو انھوں نے اسلامی ہفتہ ۱۹۳۳ء کے موقعہ پر انجمن اسلامی تاریخ وتمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام اساتذہ وطلبا یونیورسٹی کے ایک کثیر التعداد او عظیم الشان اجتماع میں فرمائی جسمیں سائنس کی حقیقت، مادّہ کی انواع اور انکی خاصیت ا اسکے بالمقابل رُوح اور رُوحانیت کی عظمت و جلالت، انسان کی رُوحانیاتی تسخیر اور نوع بشر کے مایہ الامتیاز اوصاف و کمالات پر فلسفیانہ انداز میں سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔

تقریر کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ وہ اپنی عبارت کی سطح سے تو خالص فلسفہ نظر آتی ہے اور اپنے باطنی حقائق کے لحاظ سے خالص قرآن وحدیث کی روشنی سے ماخوذ ہے مقرر مو نے سائنس کے بنیادی مادّوں کے خواص و آثار کو کتاب و سنّت سے واضح کرتے ہوئے سائنس کا رشتہ اسلام کے ساتھ نہایت ہی لطیف پیرایہ میں کھولا ہے۔ درمیان میں مادّ اور رُوح کے متعلق بہت سی عجیب و غریب موشگافیاں اور بحثیں آگئی ہیں۔ غرض یہ مختصر مگر جامع مضمون قرآنی حقائق و معارف اور حدیثی لطائف کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

لکھائی۔ چھپائی صاف و ستھری۔ کاغذ عمدہ چکنا۔ ۲۰ پاؤنڈ۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ ضخامت تقریباً ۱۰۰ صفحات ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف ۵/ علاوہ محصول ڈاک۔

پتہ ذیل سے طلب فرمائیں۔

عابد اللہ انصاری معتمد نشر و اشاعت
انجمن اسلامی تاریخ وتمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ